۱۹۳۸ء

اے روحِ حُرّیت شرفِ جسم وجاں ہے تو
اک زندگی وہیں ہے جہاں میں، جہاں ہے تو
احساس بن کے ہر رگ وپے میں رواں ہے تو
بوڑھے کے دل میں ہو تو وہاں بھی جواں ہے تو
اک اک ادا پہ تیری ہزاروں کے جی گئے
تجھ پر جو مر مٹے وہ حقیقت میں جی گئے

سرخی ہے داستانِ عمل کی ۔ ترا لہو
بچوں کا کھیل دار و رسن تیرے روبرو
اخلاق کے چمن کی ہے تو قوتِ نمو
خوددار تیرے عشق میں پھرتے ہیں کوبکو
پھیکا ہے رنگ دُھن میں تری ہر جنون کا
غازہ ہے تیرے رخ پہ شہیدوں کے خون کا

تیرے حضور ہر متکبّر ذلیل ہے
فرعون کے ڈبونے کو تو رودِ نیل ہے
نخوت کے بتکدے میں شکوہِ خلیل ہے
تو وحیِ ارتقا کے لیے جبریل ہے
روحِ شباب ہستی دنیا و دیں ہے تو
جانِ آفریں خدا تو حیاتِ آفریں ہے تو

بزمِ جہاں کی انجمن آرا ہے حُرّیت
عزت کی زندگی کا سہارا ہے حریت
توحید کے فلک کا ستارا ہے حریت
فطرت کا اک لطیف اشارا ہے حریت
خم ہو تو صرف حق کی سلامی کے واسطے
انساں نہیں بنا ہے غلامی کے واسطے

بے حریت حیات ہے اک نخلِ بے ثمر
مضمونِ نو کا بندِ خموشی میں کیا اثر
بخشے نہ دل کو جذبۂ پرواز تو اگر
نکلے کبھی قفس سے نہ مرغِ شکستہ پر
بندش میں ہے جو نطق وہ کب دلپذیر ہے
نغمہ بھی چیخنا ہے جو بلبل اسیر ہے

محبوس گر رہے قفسِ لب میں مرغِ آہ — رہ جاتے فیضِ عدل سے محروم دادخواہ
زندانِ چشم میں ہے نظر بند جو نگاہ — یکساں ہے اس کو روزِ سفید اور شبِ سیاہ
دُر ہے صدف میں قید تو بے عزّ و جاہ ہے
آزاد ہے تو زینتِ دیہیمِ شاہ ہے

آزادِ قیدِ غرب سے سورج اگر نہ ہو — دنیا میں صبح نور کبھی جلوہ گر نہ ہو
آزادہ رو چمن میں جو بادِ سحر نہ ہو — پھولوں کا آب و رنگ بہشتِ نظر نہ ہو
جب تک رہا نہ محبسِ گل سے شمیم ہو
گلشن میں خاک عطر فشاں پھر نسیم ہو

ہر قید و بند۔ دہر میں ہے باعثِ زوال — ہالہ نہیں قمر کے لیے زیورِ کمال
پَر بند گر جہاں میں رہے طائرِ خیال — کیا کٹ سکے گا عقل سے پھر بے حسی کا جال
وارستگی کے دم سے ہی یہ کائنات ہے
دم بند ہو تو ختم نظامِ حیات ہے

فطرت کی حد میں کفر ہے بندوں میں امتیاز — قدرت کے قاعدے بھی ہیں سب حریت نواز
دربارِ کبریا میں ہے محمود بھی ایاز — ایجادِ آدمی ہے یہ فرقِ نیاز و ناز
سوءِ ادب ہے یہ۔ بخدا حق کی شان میں
بندہ نہیں ہے کوئی کسی کا جہان میں

اے حریت تجھی سے قوی ہے ہر اک ضعیف — ذرّے تری زمیں کے ہیں سورج کے ہم ردیف
ناحق نہیں ہے قوتِ باطل تری حریف — ہے خاکِ کربلا سے ترا جوہرِ لطیف
تمہیدِ عزم تو ہے بعنوانِ حُرّیت
نسبت ہے تجھ کو حُر سے جو تھا جانِ حریت

وہ حر کہ تھا ہراوّلِ سلطانِ کربلا — آغازِ داستانِ شہیدانِ کربلا
عنوانِ عزم مطلعِ دیوانِ کربلا — پہلا شہید فاتحِ میدانِ کربلا
اوّل جہادِ نفس میں جس کو ظفر ہوئی
پھر سر فدا کیا تو مہم حق کی سر ہوئی

وہ حر کہ جس کی فطرتِ عالی تھی ارجمند
پابند کر سکے نہ امارت کے جس کو بند
جس کی نظر تھی حرص و ہوس سے کہیں بلند
جو تھا سپاہِ ظلم میں خود دار و حق پسند
پوچھو ثبات اُس کا حسینی گروہ سے
یہ کوہ ٹل سکا نہ یزیدی شکوہ سے

وہ حر کہ حریت کی ادا کا شہید تھا
وہ حر کہ جس کا جوہرِ فطرت سعید تھا
وہ حر کہ دل سے مرشدِ حق کا مرید تھا
وہ حر کہ ظاہرا سوئے فوجِ یزید تھا
رن میں ثبوت اپنی صداقت کا دے گیا
پیچھے جو سب سے تھا۔ سبقت سب سے لے گیا

وہ حر کہ قیدِ کفر سے دم میں رہا ہوا
باطل کے ازدحام میں حق آشنا ہوا
عقدہ جو دل کا ناخنِ ہمت سے وا ہوا
حر ہو گیا کہ بندۂ مشکل کشا ہوا
مقصد ملا۔ مراد ملی۔ مدعا ملا
جب مل گئے حسین تو گویا خدا ملا

چہرہ فروزِ معرکۂ کربلا ہے حر
باطل کی ظلمتوں میں حقیقت نما ہے حر
میزانِ عزم۔ رتبہ شناسِ وفا ہے حر
کیا تھا۔ مگر نصیب تو دیکھو کہ کیا ہے حر
جو رات کو شریکِ سپاہِ شریر تھا
وہ دن کو ہمنشینِ جنابِ امیر تھا

حاصل ہوئی جو قربتِ سلطانِ ارجمند
دستِ خدا نے کاٹ دیے غفلتوں کے بند
چمکا ولا کے نور سے یوں طالعِ بلند
بختِ سیاہ۔ دم میں ہوا چاند سے دوچند
مولا کی بارگاہ میں مقبول ہو گیا
لالے کا داغ چاندنی کا پھول ہو گیا

یہ فیضِ الفتِ پسرِ بوتراب تھا
داغِ گناہ رشک دہِ ماہتاب تھا
شب کو گہن کا چاند وہ خانہ خراب تھا
جس دم سحر نمود ہوئی آفتاب تھا
باوصفِ انفعال عجب آن بان تھی
رخسارِ حر میں سورۂ توبہ کی شان تھی

الفت ملی حسینؑ کی ۔ عرفان مل گیا
صحبت ملی امام کی ۔ ایمان مل گیا
مقصد میں اہلِ بیت کے مہمان مل گیا
سلمان سے یہ تازہ مسلمان مل گیا
زانو ملا حسینؑ کا دنیائے زشت میں
پہونچا نبی کی آل سے پہلے بہشت میں

جاں دے کے زندگی بھی ملی ۔ دل کا چین بھی
ماتم بھی گھر میں شاہ کے تھا شور و شین بھی
روتے تھے اہلِ بیت بھی شاہِ حنین بھی
زہراؑ بھی مصطفٰےؐ بھی حسنؑ بھی حسینؑ بھی
عزت ملی یہ شاہ کے دَر سے غلام کو
آئے ہیں خود امام لحد پر سلام کو

ہے یادگار حر کی یہ جراُت یہ صفدری
حق کی طلب میں جان پہ کھیلا یہ حیدری
فوجِ حسینؑ کا ہے ہراول یہی جری
حر کا جہاد تھا کہ شہیدوں کی رہبری
خاکِ شفا پہ خوں جو بہا حق کی راہ میں
ہوگا یہی کسی نہ کسی سجدگاہ میں

غازی نے اپنے نفس کو جب تک دی شکست
دم بھر کو مطمئن نہ ہوا یہ وفا پرست
منظور تھا جو حق کی حمایت کا بندوبست
باطل کے حوصلوں کو کیا ساتھ رہ کے پست
اہلِ نظر میں شہرۂ ذوقِ نگاہ ہے
یہ دین و کفر دونوں کا عینی گواہ ہے

باطل سے منہ پھرا کے دکھا دی عمل کی راہ
معیارِ حق ہے اس کی شہادت خدا گواہ
ایماں کا نور اُدھر تھا ۔ اِدھر ظلمت گناہ
حیران تھا دوراہے پہ یہ بندۂ اللہ
بھٹکا کیا تلاش کی راہوں میں رات بھر
تولا ہے خیر و شر کو نگاہوں میں رات بھر

باتیں تھیں دل ہی دل میں خود اپنے سے تا سحر
باطل یہ ہے وہ حق ۔ یہ شر ہے تو وہ قمر
نفس و ضمیر دونوں صف آرا تھے ہمدگر
مائل وہ مال پر ۔ نظر اس کی مآل پر
وہ بولا زر نہیں ہے تو عزت کہیں نہیں
یہ بولا تو حریص ہے انجام بیں نہیں

کہتا تھا نفس خوف ہے انجام کا فضول
دل کا جواب تھا کہ یہ فطرت کا ہے اصول
اُس کو یہ دھیان دولت و اقبال ہو حصول
اِس کو یہ دُھن کہ شہ کی گدائی مجھے قبول
وہ بولا سب جہان میں بندے ہیں دام کے
اس نے کہا کہ سچ ہے علاوہ امام کے

کہتا تھا نفس فرض ہے دولت کی جستجو
دل بولتا تھا فرض کو بھولا ہوا ہے تو
خواہش یہ نفس کی کہ ہے دنیا کی آرزو
دل کا خیال یہ، کہ دَنی ہے یہ فتنہ جو
اصرار، نفس کا کہ مجھے مال چاہیے
دل کی پکار مال نہیں آل چاہیے

اُس نے کہا یہ اہلِ سیاست کی خو نہیں
اِس نے کہا درست ہے۔ میں حیلہ جو نہیں
وہ بولا کیا معاش کی بھی آرزو نہیں
یہ بولا دینے والا ہے رزّاق۔ تو نہیں
اُس کا تھا مشورہ کہ نہ مُنہ پھیر چین سے
اِس کا تھا فیصلہ کہ ملوں گا حسینؑ سے

اُس نے کہا نہیں ہے جسارت کا یہ محل
اِس نے کہا کہ تو نہ بنا مجھ کو بے عمل
اِس کشمکش میں صبر و سکوں تھا نہ ایک پل
کہتا تھا نفس بیٹھ۔ تڑپتا تھا دل کہ چل
آخر نہ دل نے شر کی اطاعت قبول کی
پہلی تھی یہ شکست یزیدی اصول کی

دل نے کیا وہ نفس سے جم کر مجادلہ
طے ہو گیا وہ باطل و حق کا مباہلہ
دنیا و دیں سے ساتھ پڑا تھا معاملہ
آساں نہیں تھا نار و جناں کا مقابلہ
اتنی تھی چاہ گلشنِ عنبر سرشت کی
دوزخ کی حد میں کھینچ لی سرحد بہشت کی

سیکھے کوئی جہاد کے اِس باوفا سے ڈھنگ
اپنے سے کی حمایتِ مذہب میں پہلے جنگ
لب پر سکوت۔ دل میں شہادت کی تھی امنگ
آتا تھا ایک رنگ تو جاتا تھا ایک رنگ
لَو لگ رہی تھی حق سے جو یادِ امام میں
گھُلتا تھا مثلِ شمعِ سحر فوجِ شام میں

یہ صف شکن جو لشکرِ پیماں شکن میں تھا / الجھن میں، انتشار میں، رنج و محن میں تھا
کانٹوں میں پھول۔ ماہِ منور گہن میں تھا / موسیٰ کی طرح ساحروں کی انجمن میں تھا
یوں اہلِ نار گھیرے تھے اس بے عدیل کو
شعلے لیے تھے گود میں جیسے خلیل کو

اعدا میں گھر گیا تھا جو راہِ وفا کا مرد / رگ رگ میں تھی لہو کی جگہ حسرتِ نبرد
آنکھوں میں اشک گرم تو ہونٹوں پہ آہِ سرد / سینے میں سوز۔ سوز میں ہمت فروزِ درد
اک ولولہ جو فکر و تردد کے ساتھ تھا
زانو پہ سر کبھی۔ کبھی قبضے پہ ہاتھ تھا

وہ فکر وہ امنگ وہ امید وہ ہراس / رخ زرد۔ جسم سرد۔ زباں بند۔ دل اداس
تصویرِ غم۔ سکوت کا عالم۔ ہجومِ یاس / بیٹھا تو بے قرار جو اٹھا تو بے حواس
پلکیں وہ آنسوؤں کے ستارے لیے ہوئے
عصیاں کی معذرت کے اشارے لیے ہوئے

گو دل پہ چھا رہا تھا عجب صدمۂ فراق / ذوقِ عمل سے جھوم رہا تھا یہ خوش مذاق
آنکھوں میں انتظار۔ نگاہوں میں اشتیاق / الفت میں فرد۔ عشق میں یکتا وفا میں طاق
غم تھا بہت جو ہجرِ شہِ تشنہ کام کا
تسبیحِ اشک پر تھا وظیفہ امام کا

رو کے ہوئے تھی رات جو عزمِ وفا کی راہ / دنیائے زشت دیدۂ حق بیں میں تھی سیاہ
جب شمع جھلملاتی تھی ہوتا تھا اشتباہ / نجمِ سحر کو ڈھونڈھتی تھی چرخ پر نگاہ
کہتا تھا دل کہ صبحِ تمنا کدھر گئی
اب کتنی رات باقی ہے کتنی گزر گئی

قابو میں حر کے تھی نہ طبیعت جو منچلی / دل میں مچی ہوئی تھی قیامت کی کھلبلی
ہوتی تھی یادِ شہ میں زیادہ جو بے کلی / گھبرا کے اضطراب میں کہتا تھا یا علیؑ
پہلو نہ تھا جو دردِ جدائی میں چین کا
انگلی سے نام لکھتا تھا دل پر حسینؑ کا

یوں تھا سحر کے واسطے بیتاب و بیقرار
عاشق کو جس طرح شبِ وعدہ کا انتظار
شبنم صفت تھا رات کے پردے میں اشکبار
کہتا تھا دیکھ دیکھ کے تاروں کو بار بار
جلدی چمک اٹھے جو ستارا نصیب کا
دیدار ہو سحر کو خدا کے حبیب کا

تھا منتظرِ سحر کا اِدھر حُر کہ ناگہاں
فوجِ خدا میں اکبرؑ غازی نے دی اذاں
اُٹھا پئے نماز جری ہو کے شادماں
خیر العمل نے ذوقِ عمل پر کہا کہ ہاں
بانگِ اذاں سے روحِ وفا بے قرار تھی
ٹوٹے ہوئے دلوں کی وہ گویا پکار تھی

پرجوش وہ اذاں وہ مؤذن عمل نواز
دلکش صدا میں جس کی کلامِ خدا کا راز
سوزِ بیاں میں نغمۂ داؤد کا گداز
گونجا ہوا عراق میں وہ لہجۂ حجاز
غل تھا رسالتؐ اور امامتؑ کی شان ہے
گویا علیؑ کے مُنہ میں نبیؐ کی زبان ہے

واں عازمِ صلات ہوئے شاہِ نیک خو
حُر نے بھی آنسوؤں سے کیا اس طرف وضو
بھائی، پسر، غلام مؤدب تھے روبرو
سرخم۔ دلوں میں سجدۂ طاعت کی آرزو
تھا جوش پر جو شوقِ شہادت نماز میں
کی نصرتِ امام کی نیّت نماز میں

واں زیبِ جانماز تھے شہ۔ یاں حُر جری
دونوں کے ہونٹ خشک اور آنکھوں میں تھی تری
واں بھی خضوع۔ یاں بھی کلیجے میں تھرتھری
واں شانِ حیدری تو یہاں عشقِ بوذری
جانِ وفا اُدھر تھا تو اہلِ وفا اِدھر
قبلہ اُدھر تھا۔ طائرِ قبلہ نما اِدھر

فارغ نماز سے نہ ہوا تھا یہ نیک نام
جو اک شقی نے آکے عقب سے کیا سلام
بولا غرور و کبر کے لہجے میں تلخ کام
چلیے کہ منتظر ہے امیرِ سپاہِ شام
سجدے سے اب اٹھائیے فرقِ نیاز کو
بندہ نواز۔ عمر پڑی ہے نماز کو

حاضر درِ امیر پہ ہیں سب رسالہ دار — پیشِ نظر ہے نقشۂ میدانِ کار زار
ہے ذکر و فکرِ قتلِ امامِ فلک وقار — صرف آپ کا ہے مجلسِ شوریٰ میں انتظار
فوجیں تلی ہوئی ہیں جدال و قتال پر
اجماع ہو چکا ہے کہ حملہ ہو آل پر

غازی سلام پھیر کے بولا بصد غضب — گدی سے کھینچ لوں گا زباں کچھ کہا جو اب
میں اور بزمِ مشورتِ قتلِ تشنہ لب — کیا جان کر کیا ہے شقی نے مجھے طلب
ناری نے حر کو سمجھا ہے اپنا غلام کیا
میں جنتی ہوں۔ مجھ کو جہنم سے کام کیا

بگڑے جو دیکھے شیر کے تیور دمِ جلال — روباہ کی طرف کو دبک کر گیا شغال
کہتا ہوا یہ زیرِ لب اٹھا یہ خوش خصال — کب تک یہ روز روز کے جھگڑے یہ قیل و قال
لے حر کہاں پھنسا ہے غلامی کے دام میں
آزادیٔ دوام ہے بزمِ امام میں

بے خود بنا چکی ہے علیؑ کی ولا مجھے — پروا نہیں ہے اب تو کسی کی ذرا مجھے
آنے دو لے کے شاہ سے اِذنِ وغا مجھے — اِس ابنِ سعدِ نحس نے سمجھا ہے کیا مجھے
ظالم کے لشکروں کا مٹا دوں گا نام تک
حر میرا نام ہے تو بھگاؤں گا شام تک

بھائی نے جب سنا سخنِ عشقِ بوتراب — رجحانِ دل کی ہو گئی تائیدِ باصواب
کی عرض یہ ہے قصد تو پھر دیر کیا جناب — چلئے کہ منہ پہ دیں پسرِ سعد کو جواب
یوں بے کہے جو چھپ کے چلے بھی تو کیا چلے
کہہ کر چلیں کہ روک شقی با وفا چلے

حر نے کہا یہی ہے اگر مقتضائے حال — تاخیر بے محل ہے کہ اب صبر ہے محال
سن کر یہ جکم۔ بھائی، پسر، عبد خوش خصال — تینوں سلاح باندھ کے آئے بصد جلال
لے کر خدا کا نام نمازی رواں ہوئے
باطل کا سر کچلنے کو غازی رواں ہوئے

آگے تھا سب کے حر۔ صفتِ شیرِ خشمگیں — پیچھے غلام۔ جانِ وفا، حریت قریں
بیٹا سوئے یسار۔ برادر سوئے یمیں — سر پہ خدا۔ لبوں پہ ثنا۔ دل میں شاہِ دیں
اس شان سے جو حق کے یہ پیارے نظر پڑے
دن میں سپاہِ شام کو تارے نظر پڑے

پہونچے جو روبروئے بنِ سعد یہ جری — ہیبت سے پڑ گئی تنِ خود سر میں تھرتھری
دیکھا کہ سر اٹھائے کھڑے ہیں یہ حیدری — سوچا کہ کچھ کہا تو سنوں گا کھری کھری
نظریں بتا رہی ہیں کہ آنکھیں دکھائیں گے
تیوری چڑھی ہوئی ہے، بھلا سر جھکائیں گے

لب کھولنے کی گو کہ نہ حاکم کو تھی مجال — لیکن دبی زبان سے بولا وہ بدخصال
کھلتا نہیں کہ بند ہیں کیوں لبِ دمِ مقال — حیرت ہے ایک رات میں کیا ہوگیا یہ حال
تجھ سے دلیر کو سببِ اضطراب کیا
دیکھا ہے شب میں کوئی غم انگیز خواب کیا

بڑھ کر دیا یہ حر نے ستمگار کو جواب — دیکھا ہے میرے دیدۂ بیدار نے یہ خواب
جیسے جنابِ ختمِ رسلؐ اور ابو ترابؑ — آئے ہیں کربلا کی زمیں پر بہ اضطراب
آواز ہے بلند جو زہراؑ کے بین کی
میداں میں گونجتی ہے صدا واحسینؑ کی

کہنے لگا شقی اس اشارے کو ٹال کر — آیا ہے شب میں حاکمِ کوفہ کا نامہ بر
مانگا ہے اس نے سرورِ کرب و بلا کا سر — حیران ہوں کہ کون کرے اس مہم کو سر
لاکھوں میں ہمسرِ شہِ والا نہیں کوئی
صابر سے جنگ منہ کا نوالا نہیں کوئی

مشہور ہے عرب کے دلیروں میں تیرا نام — لینا ہے تجھ سے مشورۂ قتلِ تشنہ کام
میرا خیال یہ ہے بڑھے گی جو فوجِ شام — انکار کر سکیں گے نہ بیعت سے پھر امام
بیعت کا نام سنتے ہی چتون میں بل پڑے
آنکھوں سے حر کی غیظ کے چشمے ابل پڑے

تن کر کہا خموش ہو، او خانماں خراب　　　فاسق کا یوں مطیع ہو خضرِ رہِ صواب
یہ نار ہے وہ نور۔ یہ ذرّہ وہ آفتاب　　　ڈرتا ہے کیا یزید سے فرزندِ بوترابؑ
ممکن نہیں کہ شہ کے ارادے کو روک دیں
پہلے مجھی کو تیرے کماں دار ٹوک دیں

ذکر اس جگہ امام کی طاقت کا کیا ضرور　　　خادم سے اُن کے آنکھ ملائے کوئی غیور
میں ہوں ترے قریب وہ ہیں تیرے دل سے دور　　　ہاں ہاں ابھی ہو فیصلۂ جنگ بے شعور
آ سامنے۔ کمان اٹھا۔ یا۔ حسام لے
وہ دوں سزا کہ پھر نہ لڑائی کا نام لے

بولا شقی کہ اُف یہ تغیّر۔ یہ انقلاب　　　اتنا دُرشت، اور سخنِ نرم کا جواب
ان سازشوں کا دیکھ نتیجہ نہ ہو خراب　　　سب سن چکا ہوں قصۂ عشقِ ابوترابؑ
حر بولا کچھ خطر نہیں کوئی سنا کرے
جیسا سنا ہے تو نے وہی ہو۔ خدا کرے

پوچھا کہ عزم کیا ہے جری نے کہا وغا　　　پوچھا سبب۔ کہا کہ ستمگر، تری جفا
پوچھا مآل۔ حر نے کہا شاہ کی رضا　　　پوچھا ملے گا کیا تجھے اِس سے۔ کہا خدا
حق تک رسائی آلِ پیمبر کے ہاتھ ہے
حق ہے علیؑ کے ساتھ۔ علیؑ حق کے ساتھ ہے

حر کا جواب سن کے یہ بولا وہ بے حیا　　　نوکر ہے جس کا اس کی نہ خدمت سے مُنہ پھرا
منصب کو دیکھ۔ فکر رسالے کی کر ذرا　　　دریا میں رہ کے بیَر مگر سے نہیں بجا
بندہ وہی ہے فرض میں جس نے کمی نہ کی
طاعت نہیں ہے یہ جو کبھی کی۔ کبھی نہ کی

حر نے کہا خموش ہو۔ او بانیِ ستم　　　طاعت کو کر رہا ہے تُبک بندۂ درم
اس ذہنیت پہ طالبِ بیعت ہے دمبدم　　　بندہ ہوں میں تو آل کا اولاد کی قسم
کرتا ہے طعن بندگیٔ کردگار پر
تُف ننگِ روزگار۔ ترے روزگار پر

عہدے سے واسطہ نہ مجھے نوکری سے کام | منصب یہ کم نہیں کہ علیؑ کا ہوں میں غلام
لے آپ کر اب اپنے رسالے کا اہتمام | او تارکِ الصّلوٰۃ تجھے دور سے سلام
جائے حیا ہے سوچنے والے کے واسطے
قرآں سے مُنہ پھراؤں رسالے کے واسطے

تو ہے عدوئے عترتِ محبوبِ کارساز | فاسق بھلے ہیں تیری سلامی سے بے نماز
شہ کا نیازمند ہے دنیا سے بے نیاز | تجکو جفا پہ ناز ہے مجکو وفا پہ ناز
دنیا یہ ہے۔ طریقتِ دینِ خدا وہ ہے
تیرا یہ راستہ ہے۔ مرا راستا وہ ہے

دیکھا جو شمر نے کہ بگڑتی ہے بات اب | بولا کہ باہمی یہ کشاکش ہے بے سبب
بازوئے حر نے بڑھ کے ندا دی بصد غضب | تجکو بڑوں کی بات میں کیا دخل بے ادب
مابینِ گفتگو جو زباں کھولنے لگا
دلّال ہے جو بیچ میں تو بولنے لگا

بولا یہ شمر بگڑی ہوئی بات کیا بنے | جو اِن کے فائدے کی کہے وہ بُرا بنے
مانا کہ تم رفیقِ شہِ کربلا بنے | اس کا بھی ڈر ہے کچھ کہ نہ جانوں پہ آ بنے
یاں کثرتِ سپاہ سے گیتی میں دھاک ہے
فرزند بوترابؑ کے لشکر میں خاک ہے

سن کر یہ لاف۔ حر کے برادر نے دی ندا | بس بس ستم شعار نہ باتیں بہت بنا
پی جائیں گے لہو یہی پیاسے دمِ دغا | بھاری ہے لاکھ پر یہ اُقلیّت وفا
کثرت اِدھر ہے فوج کی۔ وحدت نما اُدھر
تیری طرف خدائی ہے ظالم۔ خدا اُدھر

مسلم کے لال خون کے دریا بہائیں گے | زینبؑ کے شیر فوج میں ہلچل مچائیں گے
حیدرؑ کی شان قاسمؑ و اکبرؑ دکھائیں گے | بچے بھی اس گھرانے کے کوسوں بھگائیں گے
عباسؑ میں ہے شانِ شہِ قلعہ گیر کی
تصویر کھینچ دیں گے جنابِ امیرؑ کی

تو واقفِ جلالِ شہِ کربلا نہیں — فرزندِ مصطفیٰ کے تصرّف میں کیا نہیں
کیا فاطمہؑ کا دودھ انھوں نے پیا نہیں — یا ہاتھوں ہاتھوں زورِ یداللہ ملا نہیں
اُلٹیں جو فرطِ غیظ سے وہ آستین کو
ہاتھوں پہ بے تکان اٹھا لیں زمین کو

نوفل پکارا خیمے میں کب تک یہ گفتگو — باہر نکل کے آؤ تو چوٹیں ہوں دو بدو
حر کے پسر نے مڑ کے کہا اُو بہانہ جو — حاکم کے دبدبے سے ڈراتا ہے ہم کو تو
کس کا ادب کہ تابعِ افسر نہیں ہوں میں
اندر بھی حوصلہ ہو تو باہر نہیں ہوں میں

خولی نے ہونٹ چاب کے غصے سے دی ندا — سب دیکھ لیں گے رن میں چلو تو سہی ذرا
پھر تو غلامِ حر سے تحمّل نہ ہو سکا — قبضے پہ ہاتھ ڈال دیا۔ جھوم کر بڑھا
یہ کیفیت وفورِ غضب سے تھی شیر کی
غصے میں اُبلی پڑتی تھیں آنکھیں دلیر کی

حر نے کہا کہ آؤ نہ ردّ و بدل کرو — کج فہم ہیں شقی۔ نہ ابھی ان سے بل کرو
بے مرضیِ امام نہ جنگ و جدل کرو — جو دین کا اصول ہے اس پر عمل کرو
پہلا تو فرض یہ ہے کہ دل شہ کا صاف ہو
تیروں سے چھان دیں گے۔ خطا تو معاف ہو

یہ کہہ کے آنکھ سے جو اشارہ کیا کہ ہاں — گھوڑے بڑھے کہ کوند گئیں رن میں بجلیاں
ٹاپوں سے گرد اڑ کے گئی سوئے آسماں — آنکھوں میں دھول جھونک کے غازی ہوئے رواں
کانٹوں میں پھنس کے گل۔ صفت بو نکل گئے
پلکوں کو چیرتے ہوئے آنسو نکل گئے

بل کھا کے ابنِ سعد نے فوجوں کو دی ندا — کیا دیکھتے ہو۔ لے کے کمانیں بڑھو ذرا
جانے نہ پائیں عاشقِ فرزندِ مرتضیٰ — چلّے چڑھے تو مڑ کے پکارا یہ باوفا
فوجیں لڑیں گی خاک صدائے ضمیر سے
عاشق کا دل بھلا کہیں رکتا ہے تیر سے

ہر سو کڑک رہی تھیں کمانیں جو بے پناہ — ہلتا تھا تا بہ دور بیابان رزمگاہ
بڑھتی تھیں شور کر کے جو فوجیں میانِ راہ — گھبرا رہے تھے واں حرمِ شاہ دیں پناہ
اوجھل جو تھی نظر سے امانت بتول کی
بے چین تھی حرم میں نواسی رسول کی

ڈیوڑھی پہ آ کے شہ کو بلایا بصد محن — عصمت سرائے پاک میں آئے شہِ زمن
فرمایا صبر کیجیے للہ اے بہن — وہ چاہیے جو اپنے گھرانے کا ہے چلن
گھبرائیں گی جو آپ تو سب جان کھوئیں گے
روئیں گے جب بزرگ تو بچے نہ روئیں گے

بولی یہ اشک پونچھ کے وہ غم کی مبتلا — کیا ظالموں سے صلح نہ ٹھہری۔ بہن فدا
بولے امامِ دیں حق و باطل میں صلح کیا — کی عرض اس دیار سے اب اٹھ گئی وفا
مہماں کو ستا کے بھی ظالم خجل نہیں
لاکھوں ہیں ایک شخص کے پہلو میں دل نہیں

زہرا کی لاڈلی سے یہ بولے شہِ زمن — خالق کی مصلحت میں نہیں جائے دم زدن
دشوار کیا ہے چاہے اگر ربِّ ذوالمنن — ظلمت میں شب کی چاند نکل آئے اے بہن
ہوتے ہیں بے اصولوں میں کچھ با اصول بھی
کانٹوں کی گود میں نکل آتے ہیں پھول بھی

مصروفِ گفتگو تھے اِدھر شاہ بحر و بر — حر کے رفیق فوج کے نرغے میں تھے اُدھر
گھیرے ہوئے تھے صاف دلوں کو وہ اہلِ شر — لیکن کسی نے خاک بھی ڈالی ہے چاند پر
ہر گام مثلِ سرخیٔ روئے خجل بڑھے
بادل پھٹا۔ ہجوم گھٹا۔ شیر دل بڑھے

فردوس کو سقر سے چلے تھے جو نیک نام — اعراف دین و کفر میں راہی تھے تیز گام
آتے تھے دور سے جو نظر شاہ کے خیام — جھک جھک کے بار بار جری کرتے تھے سلام
آنکھیں تھیں اشک ریز۔ پہ غم سے فراغ تھا
جنت جو سامنے تھی تو دل باغ باغ تھا

تھے جادۂ وفا میں جو راہی اسیرِ غم — بڑھتا تھا جوش ہوتی تھی جتنی وہ راہ کم
گھوڑے کو حر جو ایڑ لگاتا تھا دمبدم — تاریخ ذرّے ذرّے پہ کرتی تھی یہ رقم
جاتا ہے عشقِ شہ میں ملازم یزید کا
یہ ہے ثبوت فتحِ امامِ مجید کا

پہنچے ادھر یہ راہِ طلب میں رواں دواں — صف بستہ تھا اُدھر شہِ والا کا کارواں
خیمے میں جلوہ گر تھے امامِ فلک مکاں — ڈیوڑھی پہ شیر اٹھائے ہوئے حیدری نشاں
ہیبت سے کانپتے تھے طبق آسمان کے
در کے قریں ٹہلتے تھے۔ سینے کو تان کے

ناگاہ سامنے کی طرف سے اٹھا غبار — ٹاپوں نے دی صدا کہ کچھ آتے ہیں شہسوار
عباسؑ نے ڈپٹ کے صدا دی کہ ہوشیار — یاں خیمہ زن ہے یثرب و بطحا کا تاجدار
ہے بارگاہِ پاکِ شہِ حق پسند کی
اڑتی ہے گرد تھام لو باگیں سمند کی

گونجا جو غیظ میں اسداللہ کا پسر — عمو کے پاس آ گئے اکبرؑ بکرّ و فر
ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے جو قاسمؑ نے کی نظر — بولے عجیب شان سے آتے ہیں یہ ادھر
تیغ و سپر کو کھول کے لائے ہیں ساتھ کیوں
کھلتا نہیں یہ راز کہ باندھے ہیں ہاتھ کیوں

کہنے لگے یہ عونؑ و محمدؑ بصد جلال — کچھ بھی سہی مگر ہمیں لازم ہے دیکھ بھال
انصار دم کے دم میں ہوئے عازمِ قتال — تن کر چلے زہیرؑ چمک کر بڑھے ہلال
نصرت کا شہ کی دن جو دکھایا نصیب نے
کہنی تک آستین چڑھا لی حبیب نے

شیروں کے ہمہمے کی جو پیہم سنی صدا — گھبرا گئے حرم کہ یکایک ہوا یہ کیا
عصمت سرا سے آتے جو باہر شہِ ہدا — دیکھا کہ آ گئے وہ، ابھی جن کا ذکر تھا
نکلی شعاعِ رحم و کرم قلبِ نور سے
دل سے ہوئے قریب کہ آئے تھے دور سے

حر کا تو حال یہ تھا کہ روتا تھا دمبدم
بھائی۔ پسر۔ غلام تھے پاسِ ادب سے خم
چاروں رہِ وفا میں کھڑے تھے اسیرِ غم
یہ بارِ انفعال کہ اٹھتے نہ تھے قدم
باندھے ہوئے تھے ہاتھ زباں کھولتے نہ تھے
لب تھرتھرا رہے تھے مگر بولتے نہ تھے

شہ نے کہا کہ اے مرے انصارِ تشنہ کام
تم جانتے ہو کون ہیں چاروں یہ نیک نام
وہ حر ہے، وہ پسر، وہ برادر ہے وہ غلام
سب پر خدا کا فضل ہے سب پر مرا سلام
گل جن کے منتظر تھے وہ بلبل یہی تو ہیں
اس فوجِ مختصر کے ہراوُل یہی تو ہیں

لازم ہے دوستوں کو مرے ان کا احترام
محضر میں ہیں شریک یہ چاروں فلک مقام
اکبرؑ تو حر کے بیٹے کو لائیں بہ احتشام
لے آئیں اس کے بھائی کو عباسؑ نیک نام
حر کی طرف حبیب محبت سے جائیں گے
اب رہ گیا غلام، سو ہم اس کو لائیں گے

دیکھا جو حر نے خُلقِ مجسم کا یہ کرم
آتے ہیں پیشوائی کو خود سرورِ اُمم
عاصی نے دوڑ کر شہ دیں کے لیے قدم
رو رو کے عرض کی کہ خجل ہے اسیرِ غم
جانِ شفیعِ روزِ جزا بخش دیجیے
وہ بابِ تھا منے کی خطا بخش دیجیے

شفقت کے ساتھ بولے امامِ ملک خصال
سر کو اٹھا۔ گلے سے لپٹ۔ قلب کو سنبھال
گریہ نہ کر۔ اداس نہ ہو۔ دور کر ملال
مسرور تیرے آنے سے ہے مصطفےٰ کی آل
موقوف کر خدا کے لیے شور و شین کو
رونے سے تیرے ہوتی ہے ایذا حسینؑ کو

کی حر سے در گذر جو امامِ غریب نے
بخشی خطا خدا نے۔ خدا کے حبیب نے
بڑھ کر گلے میں ڈال دیں باہیں حبیب نے
بچھڑے ہوؤں کو خوب ملایا نصیب نے
فرزندِ نوجواں سے جو اکبرؑ لپٹ گئے
عباسؑ اس کے بھائی سے بڑھ کر لپٹ گئے

سبطِ نبی نے ہاتھ بڑھائے سوئے غلام
قدموں پہ آنکھیں ملنے لگا وہ فلک مقام
یہ حال تھا اِدھر کہ اٹھا پردۂ خیام
فِضّا ہوئی حرم سے برآمد بہ احترام
کی عرض پاس آکے امامِ انام سے
حر کی طلب ہے خیمۂ عرش احتشام سے

مولا سے اِذن لے کے جو آیا قریبِ دَر
زینبؑ اُدھر حجاب کے تھیں۔ لونڈیاں اِدھر
خم ہو گیا سلام کو۔ ڈیوڑھی کو چوم کر
فِضّا نے عرض کی کہ وفادارِ نامور
یہ برکتیں ہیں نصرتِ آلِ رسول کی
تجکو دعائیں دیتی ہیں بیٹی بتولؑ کی

فرماتی ہیں کہ یہ ترا احساں نہیں ہے کم
کھائی ہے تو نے نصرتِ شبیرؑ کی قسم
غربت میں غمزدوں کا ہوا تو شریکِ غم
مجبوریوں سے اپنی پشیماں ہیں حرم
دشتِ بلا میں وہ سرو ساماں نہیں رہے
ہم قابلِ ضیافتِ مہماں نہیں رہے

جو حال ہے حرم کا نہیں تجھ سے کچھ نہاں
فاقے سے تین دن کے ہیں خود تیرے میزباں
فرطِ عطش سے بالی سکینہ ہے نیم جاں
یہ قحطِ آب ہے کہ بلکتا ہے بے زباں
غش چند بار ہنسلیوں والے کو آئے ہیں
آنسو چھڑک کے ہوش میں اصغرؑ کو لائے ہیں

رونے لگا یہ سن کے وہ شیدائے پنجتن
بولا بہ اشک و آہ کہ مخدومۂ زمن
اپنوں سے اور ذکرِ ضیافت دمِ محن
مجکو خجل نہ کیجیے فرما کے یہ سخن
جینے سے دل ہے سیر فدائے امام ہوں
مہمان غیر ہوتے ہیں میں تو غلام ہوں

فِضّا سے بولیں سن کے یہ مخدومۂ انام
کہہ دے مری طرف سے کہ اے حُرِّ نیکنام
تو محسنِ بتولؑ ہے اے عاشقِ امام
زینبؑ کے دل سے پوچھے کوئی تیرا احترام
تو باوفا ہے ثانیِ الیاس کی طرح
میں تجھ کو بھائی کہتی ہوں عباسؑ کی طرح

روحِ نبی گواہ ہے شاہد ہے کبریا — اپنوں میں کر چکے تجھے شامل شہِ ہدیٰ
بولا یہ سب ہے فیضِ درِ آلِ مصطفےٰ — توبہ ہوئی قبول ۔ ملے شاہِ کربلا
تنہا کیا معاف نہ سبطِ رسول نے
خود بخش دیں تمام خطائیں بتولؑ نے

حیرت سے بولیں خواہرِ سلطانِ دوجہاں — فِضّا یہ پوچھ تو ۔ تجھے اماں ملیں کہاں
کی عرض ۔ صبح خواب میں تھا میں کہ ناگہاں — زہراؑ نظر پڑیں مجھے کوفہ میں نیمجاں
پوچھا ۔ وہاں بتولؑ کو کس کی تلاش تھی
رو کر کہا کہ گود میں مسلم کی لاش تھی

پوچھا کہ تجھ سے پھر مری اماں نے کیا کہا — بولا یہ حر کہ شہ کے مصائب کا ماجرا
آتا تھا میں کہیں سے کہ بی بی نے دی ندا — اے حر بھٹک رہا ہے کہاں اس طرف تو آ
معلوم ہے یہ غم کی خبر مشرقین کو
پالا ہے چکی پیس کے میں نے حسینؑ کو

افسوس دورِ چرخ سے میرا وہ لاڈلا — نرغے میں ظالموں کے ہے بے آب بے نوا
تیغیں لیے شریر ہیں آمادۂ جفا — گھیرا ہے تو نے ۔ تو ہی مرے لال کو بچا
ہو عُذر خواہ ۔ جانِ امیرِ حُنینؑ سے
کر دی ہے میں نے تیری سفارش حسینؑ سے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ عاشقِ غفور — بولیں دبی زبان سے یہ زینبؑ غیور
پھر کیا ہوا ۔ کہا کہ نہ پوچھیں بس اب حضور — تھا کچھ ردا کا ذکر ۔ اعادہ ہے کیا ضرور
ہوتے ہمارے ایسی جسارت محال ہے
عصمت سرا تک آئے یہ کس کی مجال ہے

بنتِ علیؑ پکاریں کلیجے کو تھام کر — ہونا ہے جو کچھ آہ مرے دل کو ہے خبر
بابا سے سن چکی ہوں یہ سب حالِ مختصر — جیتے رہیں حسینؑ کھلے چاہے میرا سر
اماں بتولؑ کو مری چادر کی فکر ہے
مجکو تو صرف اپنے برادر کی فکر ہے

افسوس بعدِ عصر کہاں تھے یہ باوفا   بے اذن جب خیام میں در آئے اشقیا
زہراؑ کے گھر میں لوٹ مچی وا مصیبتا   بنتِ علیؑ اسیر ہوئیں۔ چھن گئی ردا
محو فغاں تھی آلِ رسولِؐ قدیر کی
سرکار لٹ رہی تھی جنابِ امیر کی

زینب پکارتی تھیں کہ لوگو کوئی بچاؤ   اے حُرؑ نامدار کہاں ہو مدد کو آؤ
اکبرؑ، کدھر گئے مرے سر پہ ردا اڑھاؤ   عباسؑ، بازوؤں میں رسن آکے دیکھ جاؤ
آئے نہ تم اگر مری امداد کے لیے
پھر میں نجف کو جاؤں گی فریاد کے لیے

بس اے نسیم حشر ہوا روک لے قلم   اب عرض کر خدا سے کہ اے ربِ ذوالکرم
جرات بھی اور وفا بھی عطا کر ہمیں بہم   تجھ کو ہراولِ شہ مظلومؑ کی قسم
جانباز و سرفروش و بہادر کا واسطہ
آزادیِ خیال بھی دے حُرؑ کا واسطہ